اُردو کے حوالے سے مجوزہ لسانی پالیسی کا سماجی و سیاسی پہلو

ڈاکٹر عطش دُرانی

The author is a flag carrier of language planning, development and policy for the national language Urdu. In this paper he advocates the social and political aspects of the language not to be overlooked while developing a language policy. The issue of the basic human rights is present in this making. Language imperialism is not acceptable custom for any nation of the world. Translation is not its solution. Public recognition and individual linguistic autonomy are the important motives. The basic language right of every Pakistani is a matter of considerations but every language cannot be given the status of the public language. Two models of language rationalization and language maintenance are present to solve the socio-political problems. Multilingualism is not a solution of these issues. It also increases the public expenditure, because communication, symbolic affirmation and identity promotion are the important interests. Social mobility, democratic deliberations, common identity and efficiency are the four basic benefits of the language rationalization. Multilingualism is suitable for the countries where national integrity is not a problem. In such a country like Pakistan the policy of language maintenance is the best solution. It means that a local language at its local place, Urdu at its federal level and English for international needs and usage be given proper

placement in a language policy. This is not a subject of any Educationalpolicy.

(الف)خلاصہ

قومی لسانی پالیسی وضع کرنے کے لیے زبانوں کے سماجی و سیاسی پہلو نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ اس میں بنیادی انسانی حقوق کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ لسانی استعمار کسی بھی قوم کے لیے قابل قبول نہیں۔ ترجمہ ہر چیز کا حل نہیں۔ قومی زبان کے لیے سرکاری پہچان اور انفرادی لسانی خودمختاری اہم محرکات ہیں۔ ہر پاکستانی کا بنیادی لسانی حق تو تسلیم کرنا ہوگا مگر ہر زبان کو سرکاری حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ سماجی سیاسی مسئلے کے حل کے لیے لسانی معقولیت کاری اور لسانی نگہداشت کے دو ماڈل پیش کیے جاتے ہیں۔ کثیر لسانیت کسی بھی مسئلے کا حل نہیں۔ اس سے سرکاری اخراجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے کیونکہ ابلاغ، علامتی توثیق اور فروغ تشخص اہم مفادات ہیں۔ سماجی حرکت پذیری، جمہوری تردد، مشترک تشخص اور کارکردگی لسانی معقولیت کاری کے چار بنیادی فوائد ہیں۔ کثیر لسانیت اس ملک کے لیے مفید ہے جہاں قومی یک جہتی کوئی مسئلہ نہیں۔ ہمارے جیسے ملک میں لسانی نگہداشت کی پالیسی ہی بہترین حل ہے۔ یعنی اپنے مقامی علاقے میں مقامی زبان، وفاقی سطح پر اُردو اور عالمی سطح پر انگریزی وغیرہ۔ لسانی پالیسی کسی بھی طرح تعلیمی پالیسی کے ماتحت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ تعلیم صوبائی مسئلہ ہے اور قومی زبان وفاقی مسئلہ ہے۔

(ب)اہم الفاظ و اصطلاحات

ابلاغ (Communicatioin)
انفرادی لسانیاتی خودمختاری (Individual Linguistic Antonomy)
جمہوری تردد (Democratic Delibrations)
سرکاری پہچان (Public Recognition)
سرکاری کثیر لسانیت (Official Multilingualism)
سماجی حرکت پذیری (Social Mobility)
علامتی توثیق (Symbolic Affirmation)
فروغ تشخص (Identity Promotion)
کارکردگی (Efficiency)
کثیر ثقافتیت (Multiculturalism)
کثیر لسانیت (Multilingualism)
لسانیاتی تقرب (Linguistic Convergence)

لسانی معقولیت کاری (Languge Rationalization)

لسانی نگہداشت (Language Maintenance)

مشترک تشخص (Common Identity)

مفروضہ (Assumption)

(ج)۔۔۔تفصیلات۔۔۔۔

کسی بھی ملک کی قومی لسانی پالیسی وضع کرنے کے لیے زبانوں کے سماجی اور سیاسی پہلونظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ دستورِ پاکستان میں بھی اُردو کا قومی زبان کی حیثیت سے محض رسمی طور پر اندراج کافی نہیں، جب تک قومی زبان کے لیے وفاقی، صوبائی اور مقامی ہر سطح پر کوئی لسانی پالیسی وضع نہیں ہو جاتی۔ اس مقصد کے لیے علمی غور و فکر اور سائنٹیفک جائزوں کی بنیاد پر وضع کرنا اور دنیا بھر میں لسانی پالیسی وضع کرنے کے ماڈل پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہیں لہٰذا لسانی پالیسی سے لائحہ عمل اور حکمت عملیاں وضع کرتے ہوئے اس کے مسئلے اور مقصد کے علاوہ سماجی اور سیاسی تجزیے کی ضرورت بھی درپیش ہوتی ہے۔ اگر یہ معاملہ منصوبہ بندی کمیشن کا حصہ بنے تو یہ تجزیہ انتہائی سائنٹیفک بنیادوں پر کیا جانا ضروری ہو جاتا ہے۔

زبان انسانی سماج یا معاشرے میں وجود میں آتی ہے۔ یہ انسانوں کی باہمی لین دین، رابطے اور تعامل کی ضروریات کے حوالے سے وجود میں آتی ہے۔ جب ریاست کے معاملات استوار ہوتے ہیں اور باہمی تعلقات کے علاوہ انتظامی اور سیاسی امور انجام دینے کے لیے بھی زبان کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے لسانی پالیسی سامنے لائی جاتی ہے۔

لسانی پالیسی اخلاقی، سماجی، انتظامی، سیاسی اور قانونی اہمیت رکھتی ہے۔ حال ہی میں امریکا میں 'صرف انگریزی' نافذ کرنے کے حامیوں نے بہت سی مقامی زبانوں کے ''بنیادی حقوق'' پر دست درازی کی ہے اور صرف انگریزی کو امریکا کی سرکاری دفتری زبان قرار دیا ہے۔ کینیڈا اور بلجیم وغیرہ میں اکثریت کی زبان کو سرکاری قرار دے کر دوسری زبانوں کے حقوق بھی ملحوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یورپی یونین میں تمام ملکوں کو مساوی حقوق دیے گئے ہیں مگر جرمن زبان زیادہ مرکزی حقوق طلب کرتی ہے اور فرانسیسی انگریزی کو برتر نہیں رکھنا چاہتی۔ دراصل جہاں بھی ایک سے زیادہ ثقافتیں اور زبانیں متصادم ہوں گی وہاں لسانی پالیسی وضع کرتے ہوئے ان کے سیاسی امور بھی پیش نظر رہیں گے۔ پچھلے پچیس برسوں میں لسانی فلسفیوں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے اور انگریزی کی استعماریت پر تنقید کی ہے۔ میک گل یونیورسٹی کے ایلن پاٹن نے اس کا تجزیہ بخوبی پیش کیا ہے۔ اُردو اور پاکستانی زبانوں کا بھی معاملہ انگریزی کے حوالے سے کم و بیش ایسا ہی ہے۔ مساوات، تشخص، پہچان، شناخت، آزادی، جمہوریت، ثقافتی تحفظ جیسی اصطلاحات اس حوالے سے سماجی اور سیاسی مسائل کو جنم دیتی ہیں۔ چونکہ بقول ایلن ''زبان سماجی تعامل کا ذریعہ ہے اس لیے بہت سے لوگ صرف ایک یا زیادہ زبانیں بول سکتے ہیں، اس حقیقت کو ملحوظ رکھیں کہ بالغوں کے لیے نئی زبان سیکھنا بہرحال مشکل ہوتا ہے اور ترجمہ مہنگا، مشکل اور ہمیشہ نامکمل ہوتا ہے۔ اس لیے لسانی تنازعات میں کچھ بصیرت اور درک، کثیر ثقافت کو ملحوظ رکھنے کی کوشش ہونی چاہیے''۔

لسانی پالیسی کو تنازعات سے پاک رکھنے کی کوشش تو کی جاتی ہے لیکن پاکستان جیسے غیر یقینی سیاسی حالات کے ملک میں منتخب

پالیسی وضع کرنے کے بعد بھی بعض تنازعات جنم لے سکتے ہیں۔ اس کے محرکات کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم **"سرکاری پہچان"** (Public Recognition) **"انفرادی لسانی خود مختاری"** (Individual Linguistic) (Autonomy ہیں۔ اوّلین کی اصطلاح میں کوئی زبان سرکاری پہچان کا سبب تبھی بنتی ہے جب وہ سرکاری اداروں یا سرکاری دفاتر میں کام کرتی ہے۔ یہ دفاتر سکول، ہسپتال، حکومت، عدالتیں، مقننہ وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ کون سی زبان کس سطح پر کس ادارے میں استعمال ہو؟[۵] پاکستان جیسے ایک کثیر لسانی معاشرے میں کیا ہر زبان بولنے والے کو اس کی زبان ان اداروں میں ملنے کا بنیادی حق حاصل ہے؟ ہر فرد کو اپنی زبان بولنے اور استعمال کرنے کا حق ہے مگر ریاست اس میں مداخلت نہیں کر سکتی تاہم سرکاری سطح پر کسی اور زبان کو استعمال کرتے ہوئے کیا وہ فرد کے انفرادی حقوق سلب کر لیتی ہے؟ جیسا کہ اکثر اخبارات میں یہ مسئلہ چھیڑا جاتا ہے کہ ملک بھر میں بولی جانے والی زبانوں ہی میں ہر فرد کو ریاستی امور مطلع ہوں یا کم از کم ترجمہ ہو کر پہنچیں۔ ایسی ہی ایک حالیہ تحریر ڈاکٹر طارق رحمان کی ہے جن کے خیال میں قومی اسمبلی میں آٹھ زبانوں کو قومی بنانے کا حالیہ بل منظور ہونے پر پاکستان میں نسلی قومی تناؤ کم ہو جائے گا۔[۶] یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔

امریکا کی ساری آبادی انگریزی نہیں بولتی وہاں ہسپانوی اور فرانسیسی بولنے والوں کی بھی کثرت ہے۔ بعض جنوبی ریاستوں میں تو ہسپانوی اکثریت میں ہیں اور ذریعۂ تعلیم بھی ہسپانوی زبان ہے۔ شمالی ریاستوں میں فرانسیسی بولنے والے ہیں۔ کینیڈا میں انگریزی اور فرانسیسی کو مرکز میں مساوی حقوق حاصل ہیں لیکن ان کے ایک صوبے کیوبک میں قانون انگریزی کو پہلی زبان بننے سے روکتا ہے۔ ایسا ہی کچھ معاملہ پاکستان کے صوبہ سندھ میں درپیش ہے کیونکہ اُردو وہاں اکثریت کی زبان نہیں ہے وہ تو پورے ملک میں بھی اکثریت کی زبان نہیں ہے لیکن پنجاب میں چونکہ اُردو تحریر کی زبان ہے اس لیے تحریری اکثریت رکھنے کے باعث اُردو ملک بھر میں اولین اور قومی زبان قرار پاتی ہے اس لیے پنجاب میں تمام عوامی مرکزوں، چنگیوں، سائن بورڈوں، سنگ میلوں اور دیگر ہدایتوں کی زبان اُردو ہی ٹھہرتی ہے اور انگریزی سے قطع نظر مگر کثیر لسانیت (Multilingualism) اور کثیر ثقافتیت (Multiculturalism) کی اصطلاحیں پاکستان میں پورے طور پر سمجھ میں نہیں آ سکتیں جہاں **عالمگیریت** انگریزی کے ذریعے مسلط ہو رہی ہو۔ ایسے ہی اُردو اور تمام پاکستانی زبانوں کو ایک طرح سے کسی مساوی سیاسی پلیٹ فارم پر رکھ کر نہیں دیکھا جا سکتا۔

ہر پاکستانی کا بنیادی لسانی حق تو تسلیم ہو گا مگر سرکاری سطح پر سہولتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ دیکھنا ہو گا کہ کن معاملات میں انگریزی کی ضرورت باقی رہتی ہے اور کن کن ضرورتوں کے لیے اُردو درکار ہے اور کہاں کہاں انفرادی زبانوں کے حقوق پورے کیے جا سکتے ہیں۔ **سرکاری کثیر لسانیت** (Official Multilingualism) اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس وقت اس سماجی سیاسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے دو اور لسانی ماڈل بھی دنیا میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) لسانی معقولیت کاری (Language Rationalization) اور

(۲) لسانی نگہداشت (Language Maintenance)

پہلے ہم **سرکاری کثیر لسانیت** (Official Multilingualism) کو لیتے ہیں۔ اس نظریے کے تحت کسی ریاست میں موجود ہر سیاسی اکائی میں بولے جانے والی زبان کو سرکاری امور میں داخل ہونے کا مساوی حق حاصل ہے۔ مثلاً تعلیم، صحت، زراعت، سماجی خدمات،

سرکاری دفاتر، عدلیہ، مقننہ وغیرہ میں ہر زبان میں رابطہ، ہدایات، لٹریچر (بولنے، لکھنے، پڑھنے کی سہولت) حاصل ہو لیکن یہ پالیسی ہمیشہ تنازع کا سبب بنتی رہے گی، انتظامی اخراجات بھی بڑھیں گے اور خاص طور پر وفاقی سطح پر سنگ میل، سائن بورڈ، ہدایات، فارم وغیرہ میں جگہ کا مسئلہ بھی درپیش ہوگا کہ بیک وقت ہر چیز انگریزی، اُردو، سندھی، پشتو، پنجابی، بلوچی، براہوی، سرائیکی، ہندکو، کشمیری، بلتی، شنا، کھوار، پوٹھوہاری، پہاڑی وغیرہ زبانوں میں درج ہو۔ صوبائی سطح پر کم ازکم تین چار زبانوں میں اندراج ضروری ہوگا۔ اس ماڈل میں دیکھنا ہوگا کہ کیا اس کثرت پسندی میں تین امور (۱) **ابلاغ** (Communication)، (۲) **علامتی توثیق** (Affirmation Symbolic)، (۳) **فروغ تشخص** (Identity Promotion) درست مفادات ہیں جو اس ماڈل سے پورے ہو رہے ہیں۔ پہلے ابلاغ ہی کے مسئلے کو لیں۔ ہر فرد کی لسانی اہلیت مختلف ہوتی ہے۔ بعض دو یا زیادہ زبانیں استعمال کرسکتے ہیں۔ بعض کے نزدیک نا نوی زبان بھی سیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ ہر فرد صرف اسی زبان میں سہولت محسوس کرتا ہے جس میں وہ ''ماہر'' ہوتا ہے۔ صرف مادری زبان کا نعرہ کافی نہیں۔ اب ایک پنجابی اپنی زبان بول تو سکتا ہے مگر پنجابی میں تحریر کردہ ہدایات اُردو کے مقابلے میں بہتر طور پر نہیں سمجھ سکتا اور انگریزی میں بھی انھیں پنجابی اور اُردو دونوں کے مقابلے میں بہتر طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ یہاں یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ اگر پنجابی میں لکھنے پڑھنے کی آزادی ملے یا رواج پڑے تو پنجابیوں کی یہ مشکل دور ہو سکتی ہے جیسا کہ شریف کنجاہی مجھے کہا کرتے تھے۔ مگر یہ محض ایک مفروضہ ہے۔ کسی سائنٹیفک جانچ کا نتیجہ نہیں۔ چنانچہ اس کا حل یہ ہے کہ ایک سائنٹیفک سروے/ٹیسٹ کیا جائے اور پنجابی کو بھی تحریر کی آزادی دی جائے۔ پالیسی کے نفاذ کے ایک عرصے (پانچ یا دس سال) بعد دوبارہ سروے/ٹیسٹ کے ذریعے سے لسانی پالیسی میں مطلوبہ ترمیم کی جائے۔

جہاں تک **علامتی توثیق** کا تعلق ہے آپ کی توقیر اسی وقت ہوسکتی ہے جب آپ دوسروں کی توقیر کرتے ہیں۔ کسی کی زبان میں سرکاری امور انجام پانا اس کی توثیقی علامت ہوتی ہے۔ یہی سیاسی مساوات ہے۔ اس تشخص یا پہچان سے انکار اس بات کی علامت ہے کہ اس زبان بولنے والے کو کمتر اور گھٹیا سمجھا گیا ہے اور یہ اس کے اختیار اور اقتدار سے محرومی کی علامت ہے۔ اس لیے اس کی علامتی توثیق ہونی چاہیے[۸]۔

فروغِ تشخص کے حوالے سے دیکھا گیا ہے کہ لوگ کسی کمیونٹی میں صرف اپنی زبان کے حوالے سے تشخص کو فروغ دے سکتے ہیں اور اسی کے ذریعے سے دوسروں کو توقیر دیتے ہیں اور اسی کے اندر فروغ پاتے اور پروان چڑھتے ہیں[۹]۔ ہر زبان بولنے والے کا اپنی زبان کے بارے میں یہی خیال ہے۔ پھر جمہوری تقاضا کیا ہے؟

یہ تینوں اُمور مختلف مضمرت رکھتے ہیں۔ **ابلاغ** کا کثیر لسانی تصور بے حد کمزور ہے۔ کئی معاملات میں ابلاغ کے لیے ترجمہ کی سہولت مہیا کرنا پڑے گی جس پر کثیر لاگت آئے گی۔ مگر یہ لاگت پوری کرنے کے لیے کیا عوام مزید ٹیکس دینے کے لیے تیار ہوں گے تاکہ کئی زبانوں میں بیک وقت تو لامحالہ ترجمہ کے اخراجات پورے ہوسکیں۔ مثلاً عدالتوں، دستاویزوں، سائن بورڈوں، ہدایتوں اور دواؤں کے لٹریچر وغیرہ میں تراجم کے اندراج کے اخراجات، پھر ذولسانی یا کثیر لسانی تدریس کا یا علیحدہ علیحدہ ذرائع تعلیم کے اخراجات؟ کیونکہ زبان کی تحصیل میں ہر فرد انفرادیت رکھتا ہے اس لیے اخراجات تو لامحالہ بڑھیں گے۔ ریاست کو کثیر لسانی تدریس کا انتظام کرنا ہوگا اور اکثریت کی زبان کی تدریس کو کم کرنا ہوگا[۱۰]۔ زبان کے علاوہ مذہب، صنف، عمر، پیشے اور ذاتی ثقافت کے حوالے سے بھی علامتی تشخص اور تفریق کے مسائل موجود

ہیں، انھیں بھی لسانی تشخص میں ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا۔ یوں ور مسائل اور اخراجات ابھر کر سامنے آئیں گے۔ مساوات اور لسانی تشخص کا باہمی تعلق راست روی سے کہیں دور ہے۔ لسانی پالیسی میں تو یہ اور بھی دور کی کوڑی لانے کے مساوی ہے۔ لسانی پالیسی میں بقول ایلن صرف چند پہلو مساوات کے تحت لائے جا سکتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی اہلیت کے مطابق دیکھا جا سکتا ہے۔ ہر فرد کے جذبۂ مساوات کو تسکین بہم نہیں پہنچائی جا سکتی اور نہ ہر فرد اپنی ہی زبان مساوی طور پر سیکھ اور استعمال کر سکتا ہے[11]۔

......۲......

دوسرے ماڈل **لسانی معقولیت کاری** (Language Rationalization) کے حوالے سے دیکھیں تو کسی ایک زبان پر زیادہ مرکوز ہونا پڑتا ہے۔ کثیر لسانیت میں نقص یہ ہے کہ اس سے لسانی افتراق بڑھ جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری اداروں کا بس یہی کام ہے کہ وہ بہت سی زبانوں میں خدمات انجام دیتے رہیں۔ یہ ان کے ساتھ بہت زیادتی کی بات ہے۔ اس کے لیے زیادہ وقت اور زیادہ اخراجات درکار ہوتے ہیں۔ لسانی معقولیت کاری ایسی زبان پر توجہ دینے کے لیے کہتی ہے جو پہلے سے تحریر اور تقریر کی دنیا میں چھائی ہو[12]، جس میں ادبیات کا وافر ذخیرہ موجود ہو اور جو خاص مقاصد کی ضروریات کو پورا کرتی ہو۔ چنانچہ لسانی معقولیت کاری کی پالیسی ہی زیادہ مفید ہوگی۔ اس میں دوسری زبانوں کو محدود کرنا یا ان کے وجود سے سرکاری انکار لازم ٹھہرتا ہے۔ اس کی تائید اکثر ماہرین لسانیات کرتے ہیں۔ لسانی معقولیت کے بادی النظر میں چار فوائد دکھائی دیتے ہیں۔

ا۔ سماجی حرکت پذیری (Social Molitiy)

ظاہر ہے کہ بہت سی زبانیں سیکھنے کی بجائے کسی ایک زبان میں ترقی کرنا اور اقتدار کے بہتر سے بہتر مقام اور معاشرتی حیثیت کو حاصل کرنا سماجی حرکت پذیری کو بڑھا دیتا ہے۔ لوگوں کی ذاتی، خاندانی یا دیگر مقامی زبانوں کی نسبت سرکاری زبان میں معاش کے بہتر مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ وہ ایک اور ثقافت میں قدم رکھتے ہیں۔ وہ زبان کی ایک چھوٹی کمیونٹی سے ایک بڑی لسانی کمیونٹی (Language Community) کے رکن بنتے ہیں۔

۲۔ جمہوری تدبر (Democratic Delibrations)

جمہوری فیصلے اس لسانی پالیسی کی بنیاد ہیں، یعنی اکثریت کی رائے اور اکثریت پر توجہ۔ جو زبان (تحریر و تقریر، استعمال وغیرہ میں) اکثریت رکھتی ہے اس پر توجہ دینے کی معقولیت پسندی اور دیگر اولیتی زبانوں کو سرکاری استعمال میں ترک کرنا عین جمہوری اقداری فیصلہ ہے۔ سول سوسائٹی کا تردد یہی ہے کہ خواہ مخواہ جذباتی اور انفرادی حقوق کا نعرہ لگا کر محدود زبانوں کو وسیع تر سطح پر استعمال کرنے کا غیر ضروری فیصلہ کیا جائے۔ اس طرح تو دنیا میں ساٹھ کی بجائے چھ ہزار زبانیں سرکاری سطح پر استعمال ہونی چاہئیں اور پھر بابل کے مینار کی کہانی دہرائی جائے کہ "سب کی بولیاں الگ الگ ہو گئیں اور کسی کو کسی کی سمجھ نہ آئی"۔ لسانی افتراق جمہوریت کے رنگی فروغ کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جائے گا۔ اگر کسی ریاست کے تمام باشندے ایک دوسرے سے کسی ایک رابطے کی زبان میں ابلاغ نہیں کر سکتے تو بطور ریاست وہ یک جہتی کا مظاہرہ نہ کر کے ایک ریاست نہیں رہ سکتے[13]۔ اس مسئلے سے صرف لسانی معقولیت کاری کی پالیسی ہی نمٹ سکتی ہے۔

۳۔ مشترک تشخص (Common Identity)

انفرادی تشخص کا برقرار رہنا ہر فرد کے ذاتی بنیادی حقوق کے حوالے سے بہت اچھی بات ہے لیکن ایک ریاست کے تمام باشندوں کا ایک مشترک تشخص بھی ہوتا ہے۔ سندھی، پنجابی، بلوچ، پٹھان، مہاجر، سرائیکی، بلتی ہر طرح کا لسانی تشخص بجا مگر ایک پاکستانی تشخص کس زبان پر منحصر ہوگا؟ اس کا جواب باہمی اعتماد، تحمل، لین دین اور رابطے پر ہوگا۔ چنانچہ ہر مقامی تشخص کو کچھ لو کچھ دو، کچھ ایثار اور کچھ نفع کے اصول پر مشترک تشخص کے لیے عمل کرنا ہوگا۔ یہ طے ہے کہ جہاں بھی لوگوں نے ایسا لسانی ایثار نہیں کیا اور مشترک سیاسی ولسانی تشخص حاصل نہیں کیا تو وہ ریاستی سطح پر سب کچھ کھو دیتے ہیں۔ جان سٹوارٹ مل نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے اس کے علاوہ بھی کئی ماہرین نے یہی نتیجہ نکالا ہے [۱۴]۔ پاکستان کی طرح جب لوگ مختلف ثقافتوں، زبانوں اور تشخصات میں منقسم ہو جائیں تو پھر قومی یک جہتی کے جائز مفادات بھی اس قوم کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ ریاستی ٹوٹ پھوٹ پھر اس قوم اور ریاست کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ لسانی معقولیت پسندی کی پالیسی اس یک جہتی کی ضمانت دیتی ہے کیا ایک پاکستانی اُردو ہی اس مشترک تشخص کا نام ہے؟ یہ بات لسانی سروے سے معلوم ہوگی۔

۴۔ کارکردگی (Efficiency)

لسانی معقولیت پسندی کا سب سے زیادہ فائدہ لسانی اخراجات میں کمی کا ہے۔ یورپ میں کثیر لسانیت کے اس مسئلے اور اخراجات کے متغیرات کے باہمی تقابل پر بہت سی بحث اور تحقیق انجام دی گئی ہے [۱۵]۔ جب کسی ریاست کے تمام شہری ایک ہی زبان سرکاری و غیر سرکاری سطح پر استعمال کریں گے تو اداروں کے لسانی بندوبست (Language Management) پر اخراجات کمتر ہو جائیں گے۔ اسمبلیوں کی کارروائیوں، اجلاسوں کی رودادوں کی ترجمہ کاری پر غیر ضروری اور زیادہ رقم نہیں اٹھے گی۔ جیسے انگریزی سے اُردو یا اُردو سے سندھی، پشتو وغیرہ۔ پالیسی بنانے اور اس پر مسلسل نظرثانی کرتے رہنے کا عمل بھی کم خرچ ہوگا۔ ایک ہی زبان کی تدریس کی سہولت بلا امتیاز و تفریق سب شہریوں کو حاصل ہوگی۔ طبقاتی نظام معدوم ہوگا۔ اس سے انفرادی لسانی پہچان بالکل ختم نہیں ہوگی۔ ہر زبان بولنے والے کو اپنی محدود کمیونٹی کے اندر اسے استعمال کرنے کا پورا حق حاصل رہے گا۔ اس پر پالیسی کوئی قدغن نہیں لگا سکتی۔ جمہوریت سب پر مقدم ہوگی۔ البتہ اس لسانی معقولیت پسندی میں تین مفروضے (Assumptions) کام کر رہے ہیں جن پر اعتراض کیا جا سکتا ہے اور اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

(الف) سرکاری کثیر لسانیت کے زیر اثر اہم لسانیاتی تقرب Convergence (Linguistic) حاصل نہیں ہو سکتا۔

(ب) سماجی حرکت پذیری، جمہوری تر دد، مشترک تشخص اور کارکردگی کے حصول کے لیے لسانیاتی تقرب ضروری ہے۔

(ج) لسانیاتی تقرب کے لیے لسانی معقولیت کاری ضروری ہے۔

بعض ناقدین یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ جب انسان میں ایک سے زیادہ زبانیں سیکھنے کی صلاحیت ہے اور ثانوی زبان کی تدریس بھی ہو سکتی ہے تو پھر مقامی زبان بھی رہے، اُردو بھی رہے اور انگریزی بھی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بھارت نے اسی بنیاد پر انگریزی، ہندی اور مقامی زبان کی سہ لسانی پالیسی وضع کی ہے۔ زبانیں ایک حساس معاملہ ہیں اور ان پر سیاسی تردد ہو سکتا ہے۔ جواب صرف جمہوری اکثریت اور اخراجات میں کمی کا ہے۔ کینیڈا، سوئٹزرلینڈ، بلجیم جیسے کئی ملک کثیر لسانیت پر عمل کر رہے ہیں۔ وہاں تو قومی یک جہتی کا مسئلہ بڑا نہیں ہے

یورپی یونین کو بھی ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہیں۔ البتہ ان کے لسانی ترجمے کے اخراجات ضرور بڑھ گئے ہیں۔ پاکستان جیسے ملک میں کثیر لسانیت معقول حل نہیں بن سکتا، جہاں قومی یک جہتی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ شاید لسانی معقولیت کاری کے ذریعے صرف ایک زبان پر توجہ مرکوز کرنے اور لسانیاتی تقرب کو فروغ دینا ہی واحد حل نہیں۔ کچھ اور بھی دیکھنا چاہیے۔ ایسے کچھ مباحث بھی ہمارے سامنے ہیں۔ امریکا میں اس کے لیے دولسانی تدریس کا حل نکالا گیا ہے۔ یعنی اکثریت اور اقلیت ہر دو کی زبانوں پر توجہ[۱۷]۔ شاید مشترک تشخص کے گلدستے کے لیے ضروری ہے کہ ہر انفرادی زبان کے پھول کو مہکنے اور نظر آنے کی آزادی بھی حاصل رہے اور یک جہتی بھی رہے۔ چنانچہ ایک اور قسم کی لسانی پالیسی بھی ہمیں متوجہ کرتی ہے۔

......۳......

لسانی نگہداشت (Langaue Maintenance)

پہلی دونوں قسم کی پالیسیوں پر اعتراضات کے بعد ایک اور طرح کی پالیسی کی حمایت بھی شروع ہوئی ہے۔ نہ تو کثیر زبانوں کی مساوی پہچان اور کثیر اخراجات پر توجہ دی جاسکتی ہے اور نہ کسی ایک زبان کو دوسری زبانوں پر مسلط کیا جاسکتا۔ ایسے میں ایک اور سمت کی طرف توجہ دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ کہ والدین اپنے بچے کو جس زبان میں پروان چڑھانا چاہتے ہیں، اس زبان کی نگہداشت اور دیکھ بھال کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ عوامی پہچان رکھنے والی زبان زیادہ مفید نہ ہو اور کثرت سے مستعمل زبان ہی بہتر ثابت ہو۔ چنانچہ والدین تو اسی کثیر الاستعمال زبان میں سرمایہ کاری پسند کریں گے کیونکہ کثیر لسانیت پسندی مفید نہیں ہوگی اور نہ لسانی معقولیت کاری۔ تمام زبانوں پر مساوی توجہ مساوی نتائج برآمد نہیں کرتی۔ کوئی ایک منتخب زبان ہی پروان چڑھانے سے سرکاری استعمال کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ زبان کمیونٹی کی اکثریت کے ابلاغ، افہام و تفہیم، تعلیم و تعلم اور وسیع تر استعمال میں ہو۔ پاکستان میں انگریزی کو یہی حیثیت بالائی سطح پر تو حاصل ہے لیکن نچلے طبقات اس کے ثمرات سے محروم ہیں اور انھیں ضرورت سے زائد محنت کر کے بھی اختیار و اقتدار تک پہنچنے اور بہتر معاشی فوائد حاصل کرنے کی سہولت حاصل نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر طارق رحمان نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[۱۸]۔ ان مباحث میں پڑے بغیر بھی ہم اُردو کو پاکستانی کمیونٹی کی اکثریت کے ابلاغ، افہام و تفہیم، تعلیم و تعلم اور وسیع تر استعمال کے علاوہ، کثیر ادبیات، ذخیرہ علمی اور خاص مقاصد کی زبان کے طور پر ثابت شدہ دیکھتے ہیں۔ ایسی پالیسی کے تحت ہر علاقے، صوبے اور کمیونٹی کی زبان کو اپنے علاقے، صوبے اور کمیونٹی کے امور میں استعمال کرنے کا پورا حق حاصل ہونا چاہیے۔ یعنی وفاقی سطح پر اگر اُردو اولین زبان کی حیثیت رکھتی ہو اور اس کی لسانی نگہداشت کی جائے، ثانوی زبان کے طور پر انگریزی رہے تو صوبائی سطح پر صوبے کی زبان مثلاً سندھی صوبہ سندھ میں اولین زبان ہو اور اُردو کو ثانوی زبان کی حیثیت دی جائے۔ انگریزی تیسری زبان کے طور پر رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر اس علاقے کی کوئی اور زبان ہو جیسے صوبہ پی کے میں پشتو اور ہندکو کا مسئلہ ہے تو ہندکو بولنے والے علاقوں میں ہندکو اور پنجاب میں سرائیکی بولنے والے علاقوں (ملتان، بہاولپور، ڈیرہ غازی خان وغیرہ میں) سرائیکی اولین زبان ہو تو بہتر پالیسی نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔ تاہم ایسا کوئی فیصلہ کرنا آسان بھی نہیں اور نہ اس بات کا فیصلہ محض اس جملے سے ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے باقاعدہ شماریاتی سوالوں کی بنیاد پر ملک گیر لسانی سروے کی ضرورت ہوگی۔ کوئی بھی لسانی پالیسی محض میز پر بیٹھ کر چند لوگوں کی خواہش اور تجویز کی بنیاد پر وضع نہیں کی جاسکتی۔ سائنٹیفک تحقیق لازم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لسانی نگہداشت کا ماڈل بھی پاکستان

جیسے ملک کی تشفی نہ کر سکتا ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ پاکستان میں قومی لسانی پالیسی کو سائنٹیفک بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ شاید اس سے کوئی نیا ماڈل برآمد ہو جائے جو دنیا کے لسانی مسائل کے لیے رہنما کا کام دے۔

یاد رہے کہ لسانی پالیسی کو کسی طرح تعلیمی پالیسی کے ماتحت نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم صوبائی معاملہ ہے اور صوبے کی تعلیمی پالیسی اور اولین زبان کی ترجیح مختلف ہو سکتی ہے۔ البتہ ہر صوبے کو وفاقی لسانی پالیسی کسی حد تک ملحوظ رکھنا ہوگی۔ اگر سندھ میں سندھی تعلیمی پالیسی میں اولین زبان ہوگی تو وہ صوبہ سندھ کے اندرونی معاملات کے لیے ہوگی لیکن وہی لوگ جب وفاق کے لیے کام کریں گے تو اولین زبان اُردو ہو گی اور جب عالمی سطح کے لیے کام کریں گے تو اولین زبان انگریزی یا پھر کوئی اور زبان ہوگی۔

اس ساری بحث سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اگر پاکستان میں سرکاری کثیر لسانیت کی پالیسی اختیار کی جائے تو وفاقی سطح پر ہر زبان کی تدریس نہ تو شہریوں کو فائدہ دے گی اور نہ کم خرچ بالانشین ہوگی۔ لسانی معقولیت پسندی کی پالیسی صرف ایک زبان پر توجہ دے کر باقی زبانوں کو محرومیوں کا شکار کر دے گی جو سیاسی الجھنیں پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔ لسانی نگہداشت کی پالیسی میں ہر سطح پر کوئی ایک منتخب زبان اولین حیثیت رکھے گی۔ ہمیں اپنے حالات کے مطابق اور اعداد و شمار، حقائق پسندی، کم اخراجات اور کم محنت کے حوالے سے اپنی قومی لسانی پالیسی وضع کرنا ہوگی۔ اس ضمن میں مذہبی ضروریات کی زبانوں کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا، مگر شاید صرف تعلیمی پالیسی کی حد تک۔ پھر بعض مہاجر کمیونٹیوں مثلاً افغان وغیرہ کی زبانوں کا معاملہ بھی درپیش ہوگا۔ اس پر بہتر سے بہتر مباحث ملتے ہیں[۱۹]۔ ہمارے لسانی منصوبہ سازوں کو ادھر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے مگر ڈاکٹر طارق رحمان کا فیصلہ ہے[۲۰]:

> ''بدقسمتی سے یہ لسانی منصوبہ ساز بھی زیادہ تر لسانی منصوبہ بندی کے نظریات کی معاصر ترقیات سے لاعلم ہیں، سوائے عطش دُرّانی کے جس کی نولفظیت پر کتاب **اُردو اصطلاحات سازی** اس میدان کی کچھ ترقیوں کا شعور ظاہر کرتی ہے''۔

(د) حوالہ جات

۱۔ ایسے بہت سے مباحث کے لیے دیکھیں:

ڈاکٹر عطش دُرّانی، **اُردو کی لسانی ترقی، مسائل اور مباحث**، شاخ زریں، اسلام آباد ۲۰۱۱ء

ڈاکٹر عطش دُرّانی، **اُردو: جدید تقاضے، نئی جہتیں**، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

ڈاکٹر طارق رحمان، **پاکستان میں اُردو انگریزی تنازع کی تاریخ**، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

نیز ان کی کتابیں:

(a) **Langauge and Politics in Pakistan**, Karachi: O.U.P, 1996.

(b) **Langague, Ideology and Power, Langague Learning Among the Muslims of Pakistan and North India,** Karachi: OUP., 2002.

(c) Brown and Gangul, (eds.), **Fighting Words: Langauge Policy and Ethnic Relations in Asia**, MIT Press.

2. See:

(a) Kymlicka, Will, **Liberalism, Community and Culture**, Oxford, U.K., Clarendon, 1989. ch.7-9

(b) Young, Iris Marian, **Justice and Politics of Difference**, Princeten, N.J: Princeton University Press, 1990, ch.9.

(c) Taylor, Charles, **"The Politics of Recognition"** in **Multiculturalism and the Politics of Recognition,** ed. by Amy Gutmann, Princeton, N.J., Princeton University Press, 1992.

(d) Kymlicka, Will, **Multicultural Citizenship**, Oxford, U.K., Clarendon, 1995.

(e) Edwards, John, **Langague, Society and Identity**, Oxford, Uk, Blackwell, 1985.

3. Paten, Alan, **Political Theory and Language Policy**, "Political Theory", Vol. 29, No.5, 2001.

4. Paten, Alan, **Ibid,** P.692.

5. Ibid, P.692

6. Rahman, Dr. Tariq, **A Case of National Langauges**, "The News", Raswalpindi, 20 March 2011.

7. Beitz, Charles R., **Political Equality,** Princeton N.J.: Preinceton University Press, 1989, P.110.

8. Dworkin, Ronald, **Sovereign Virtue: The Theory and Practice of Equality**, Cambridge, MA. Harvard University Press, 2000, PP:200-1

9. Taylor, Charles, in Gutmann's, **Op.cit.,** PP: 16, 52-53, 58-59.

10. Paten, Alen, **Op.cit,** P.697.

11. Paten, Alen, **Op.cit,** P.698.

12. Paten, Alen, **Op.cit,** P.700.

13. Mill, John Stuart, **On Liberty and Other Essays**, Oxford, UK: O.U.P., 1991, Ch.16.

14.(a) Mill, **Ibid,** ch.16.

(b) Miller, David, **On Nationality**, Oxford: UK. O.U.P., 1995, PP: 90-98.

(c) Kymlicka, Will, **Multicultural Citizenship**, Oxford, UK: Claredon, 1995. Ch.9.

15.(a) Laitim, David, **The Culturaal Identities of European State**,"Politics and Society", 25 (1997): pp:227-302.

(b) Kraus, Peter A.,**"Political Unity and Lingustic Diversity in Europe"**, "European Journal of Sociology", 41(2000): PP: 138-63.

16. Schmidt, Jr., Ronald, **Langague Policy and Identity Politics in the United States**, Philadelphia: Temple University Press, 2000.

17. Edwords, John **Op.Ci**t. PP:53-65.

18. **Rahman, Dr. Tariq, Langauge and Politics,** Karachi: O.U.P., 1994.

19.(a) Kymlika, Will, **Multicultural Citezenship,** Ch.5-6.

(b) Coulombe, **Langague Rights**, Macmillan.

(c) Fishman, Joshua A., **Reversing Langague Shift**:, Clevendon, UK: Multilingual Matters, 1991, Ch.1-2.

(d) Beitz, Charles R., **Political Equality**, Princeton, NJ: P.U.P., 1989.

20. "Unfortunatly these Language Planners are mostly unaware of the contemporary developments in the theories of langague planning. The only exception is Attash Durrani whose book on neologism called **Urdu Istalahat Sazi** shows awareness of some of the developments in this field."

(Rahman, Dr. Tariq, **Lignuistics in Pakistan,** http:// tariqrahman.net/language/linguistics.)